ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ (بھارت)

Dr. Shahab Zafar Azmi
Associate Professor Dept. of Urdu,
Patna University, Patna, India

کلیم الدین احمد کی تحقیقی خدمات۔ایک مطالعہ

A study of Kaleemuddin Ahmed's research

Abstract: In Urdu, Kaleemuddin Ahmed is known as a critic who earned fame for his research, critique, and other writings, rather than for his poetry or fiction. He has also been called a researcher and critic of high caliber. However, the reality is that there are very few books of his that are specifically on research topics. Kaleemuddin Ahmed and other critics do not consider criticism and research to be the same. According to them, criticism without research is meaningless, and research without critique is incomplete. Critique is a separate form of art that requires not only facts and accurate references but also a deep vision, aesthetic sense, and literary taste. It is not just about finding faults and highlighting contradictions. Kaleemuddin Ahmed has always supported well-reasoned critique rather than personal attacks. His critical essays, published in journals like Nigar, Nuqoosh, and Funoon, are also examples of this. Kaleemuddin Ahmed was affiliated with Aligarh University and later Cairo University. He began his academic and research journey under Professor Ibrahim, a renowned scholar. During this time, he wrote several research-based articles, essays, and works of critique. We have evaluated some of his best research works in this article.

Key Words: Urdu Criticism, Literary Research, Aesthetic Sense, Literary Journals (Nigar, Nuqoosh, Funoon), Objective Criticism, Literary Standards

تعارف (Introduction)

کلیم الدین احمد عظیم آباد کے ایک ذی علم، پڑھے لکھے اور مشرقی قدروں کے امین خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی پرورش کی ابتدا مشرقی ماحول سے ہی ہوئی۔ والد پروفیسر عظیم الدین احمد عربی و فارسی کے استاد تھے، شاعری کے علاوہ نثر میں بھی کئی وقیع مضامین و مقالات لکھ چکے تھے۔ بڑے ابا شاعر تھے اور ان کا مجموعہ ''ولولے'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ والد کے نانا کلیم پریشان، بڑے بھائی مالو اور والد کے دوستوں میں اکثر شاعری کرتے تھے۔ کلیم الدین احمد کی تعلیم کی ابتدا والد اور حافظ عبد الکریم کی دیکھ ریکھ میں ہوئی۔ تین برسوں تک محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ سٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران انھوں نے تاریخ اسلام اور دیومالا پڑھی۔ اسی زمانے میں انھوں نے ''ٹیلز فرام رامائن'' اور ''ٹیلز فرام مہابھارت'' بھی پڑھیں۔

اردو ادب کے تعلق سے "آب حیات" اور اقبال کی غزلوں اور نظموں کا مطالعہ کیا۔ فارسی میں انوری، خاقانی، عرفی، خسرو اور حافظ کا کلام ان کے زیر مطالعہ رہا۔ شعر و ادب کے علاوہ گھر کی پرانی الماریوں سے انھوں نے متعدد کلاسیکی شعرا کے دواوین، نثر نگاروں کی داستانیں، علما و صوفیا کی مذہبی کتابیں اور تاریخی مخطوطات پڑھ ڈالے، جن کے اثرات کلیم الدین احمد پر شعوری اور غیر شعوری طور پر تاعمر قائم رہے۔ کلیم الدین احمد پر مشرقی علوم اور شعر و ادب نے کتنا گہرا اثر ڈالا ہے اس کا اندازہ ان کی خود نوشت "اپنی تلاش میں" کی جلد اول سے بہت اچھی طرح لگایا جاسکتا ہے۔ اس میں انھوں نے مشرقی ادب اور اردو ادب سے اپنی وابستگی اور دلچسپی پر خاصی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ اسکول کے زمانے میں انھوں نے پسندیدہ غزلوں اور نظموں کے لیے جو دو کاپیاں بنائی تھیں اس کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ ان کی خود نوشت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف شاعری کو پسند ہی نہیں کرتے تھے بلکہ خود بھی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہنے لگے تھے۔ اس کے علاوہ ایک مسدس کا بھی ذکر ملتا ہے جو اس دوران انھوں نے لکھی تھی۔ کلیم الدین احمد مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے مگر بطور سامع۔ انھوں نے خود نوشت میں دو تین مشاعروں کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے جس میں معاصرانہ چشمک اور تنقیدی اعتراضات کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ کلیم الدین احمد کو فکشن سے بھی دلچسپی تھی۔ انھوں نے شرر، سرشار اور راشد الخیری کے ناولوں کا خصوصی طور پر مطالعہ کیا۔ شرر اور راشد الخیری کی تعریف میں مبالغے کو انھوں نے اس وقت بھی پسند نہیں کیا تھا، راشد الخیری کے یہاں غم کی زیادتی اور نمائش انھیں ناپسند تھی۔ ناولوں میں سرشار کے ناولوں نے انھیں زیادہ متاثر کیا۔ سرشار کی کردار نگاری اور منظر نگاری سے وہ متاثر ہوئے، جبکہ ناول 'کامنی' کی تعمیری خوبیوں نے انھیں متاثر کیا۔

مذکورہ بالا امور کو خیال میں رکھ کر گفتگو کی جائے تو کلیم الدین احمد پر مشرقی ادب اور اردو ادب سے ناواقفیت کا الزام بے جا معلوم ہوتا ہے۔ ان کی فکر کو نہ صرف مشرقی ادبی سرمائے نے متاثر کیا ہے بلکہ وہ مشرقی شعر و ادب پر خاصی نگاہ بھی رکھتے ہیں۔ مشرقی ماحول نے ان کے ادبی ذوق کی تربیت کی اور اردو شعر و ادب پر گہری نظر نے تنقید کے لیے سرمایہ و قوت فراہم کیا۔

ہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ انھوں نے انگریزی ادب میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ فرنچ میں بھی ٹرائی پوس کیا۔ مغربی ناقدین کے جن خیالات کو اردو کے نقاد کتابوں کے ذریعہ جانتے تھے کلیم الدین احمد نے ان سے براہ راست استفادہ کیا۔ ان سے لکچرز سنے، ٹیوٹوریلس لیے اور ان کی متعدد تصانیف کا سنجیدگی و گہرائی سے مطالعہ کیا۔ ان اساتذہ اور ان کی تصانیف نے کلیم الدین احمد کے تنقیدی شعور پر اثر ڈالا اور انھوں نے اردو ادب کو مغربی ادب کا ہم پلہ بنانے کے لیے سخت اور بے لچک رویہ اپنایا۔

کلیم الدین احمد مغربی ناقدین میں سب سے زیادہ ایف آر لیوس سے متاثر ہوئے۔ لیوس کیمبرج میں ان کے ہدایت کار تھے۔ کلیم الدین احمد نے ان سے ۴۰ میں سے ۳۶ ٹیوٹوریلس لیے تھے۔ آل احمد سرور نے لکھا ہے کہ "ایف آر لیوس کے شاگرد ہونے کی وجہ سے ان کے یہاں ادب کے معیاروں کے معاملے میں ایک سخت گیری ملتی ہے جو مجموعی طور پر صحت مند ہے"۔ کلیم الدین احمد نے اپنی خود نوشت میں ایف آر لیوس سے متعلق تفصیل سے لکھا ہے اور جگہ جگہ ان کی قابلیت کی تعریف کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

"ان کا معیار بہت بلند تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ سخت گیری کرتے ہیں لیکن وہ آرنلڈ کے اس قول پر عمل کرتے تھے "Let Us Keep our standard high" وہ نہایت آزاد خیال اور نڈر نقاد تھے اور تلخ سے تلخ بات کہنے میں انھیں ذرا بھی جھجھک نہ ہوتی تھی"۔(۱)

کہا جاتا ہے کہ کلیم الدین احمد کے یہاں تنقید میں بے باکی اور سخت گیری ایف آر لیوس کے ذریعہ ہی آئی۔ لیوس اور کلیم الدین احمد کی زندگی اور کارناموں میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کلیم الدین احمد کی نظر میں ان کے استاد اور نگراں آئڈیل کی حیثیت رکھتے تھے۔

ایف آر لیوس عملی تنقید کے قائل تھے۔ بقول کلیم الدین احمد "لیوس کو عملی تنقید میں ید طولیٰ حاصل تھی"۔ انھوں نے خود نوشت میں بیان کیا ہے کہ جب وہ ٹیوٹوریلس کے لیے جاتے تھے تو لیوس ایک ایک نظم کا تجزیہ کرتے اور عملی تنقید کے طریقہ کار کو پسند کرتے تھے۔ بقول کلیم الدین احمد:

"کیمبرج میں عملی تنقید پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی جو کسی اور یونیورسٹی میں نہیں ہے۔ عملی تنقید کے ساتھ نظریاتی تنقید ارسطو سے لے کر زمانہ حال تک۔ اس پرچے سے مجھے خصوصی دلچسپی تھی۔ ڈاکٹر لیوس کی وجہ سے یہ دلچسپی اور بڑھ گئی تھی"۔(۲)

اس کے علاوہ تاریخی شعور، روایت کا تحفظ، شاعری اور سائنس، اخلاقیات اور فن وغیرہ کے متعلق ایف آر لیوس کے نظریات کا عکس بھی کلیم الدین احمد کی تحریروں میں نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ کلیم الدین احمد کی تنقید اور افکار کو ایف آر لیوس اور ان کی تحریروں نے بہت متاثر کیا ہے۔

کلیم الدین احمد لندن میں جس دوسرے ناقد سے متاثر ہوئے اس کا نام آئی اے رچرڈز ہے۔ انھوں نے رچرڈز کے لکچر زسنے اور ان کے انداز بیان اور طریقۂ نقد سے متاثر ہوئے۔ رچرڈز خشک موضوعات کو بھی مختلف طریقوں سے دلچسپ بنانے کا ہنر جانتے تھے۔ ان کی تنقید نظریاتی اور عملی دونوں ہوتی تھی۔ مگر علم نفسیات کے حوالے زیادہ ہوتے تھے۔ اس لیے کلیم الدین احمد رچرڈز کے تجزیاتی طریقہ نقد کی تعریف کرتے ہوئے علم نفسیات کی بے اعتدالی کو نشانہ بھی بناتے ہیں۔

"رچرڈز بھی بہت اچھی اور گہری تجزیاتی تنقید کرتے ہیں لیکن کبھی کبھار نفسیاتی پہلو، ادبی پہلو کو پس پشت ڈال دیتا ہے"۔(۳)

دراصل رچرڈز کا نفسیات پر زور غلو کی حد تک جا پہنچتا ہے۔ کلیم الدین احمد بھی نفسیات سے مدد لینا ادب کے لیے مفید سمجھتے ہیں مگر اس میں اعتدال اور توازن قائم رکھنا ضروری بتاتے ہیں۔ بقول کلیم الدین احمد:

> ”ہمیں نفسیات سے مفید نکتے مل سکتے ہیں۔ اس سے بصیرت میں گہرائی آتی ہے۔ بشرطیکہ نقاد کی دلچسپی ادبی رہے، محض نفسیاتی نہ ہو جائے“۔(۴)

رچرڈز کے تنقیدی نظریات کو سمجھنے کے لیے ان کی تصانیف ادبی تنقید کے اصول، عملی تنقید اور شاعری اور سائنس مفید ثابت ہوتی ہیں۔ کلیم الدین احمد کی دو کتابوں کے عنوان رچرڈز کی ہی مذکورہ کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ رچرڈز نے بھی مختلف موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ مثلاً ادب اور سائنس، شاعری کی اہمیت، قدروں کی نفسیات، سائنٹفک زبان، ادب کی تفہیم کا طریقہ کار اور جمالیاتی تنقید وغیرہ پر انھوں نے خصوصی توجہ دی ہے۔ کلیم الدین احمد رچرڈز کے نظریاتی اور عملی طریقہ نقد سے متاثر ہیں مگر اپنی تنقید کو نفسیاتی بے اعتدالی سے بچالیتے ہیں۔ وہ رچرڈز کے سائنسی طریقہ کار اور تجزیاتی تنقید سے متاثر ہیں اور استفادہ کرتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

ٹی ایس ایلیٹ تیسرا نام ہے جس کا اثر کلیم الدین احمد پر ہوا۔ ان سے براہ راست استفادہ کا موقع تو نہیں ملا مگر ان کی تحریروں اور ایف آر لیوس کے توسط سے وہ ایلیٹ سے خاصے متاثر ہوئے۔ ایلیٹ کو سراہتے ہوئے کلیم الدین احمد رقمطراز ہیں۔

> ”یوں تو ایلیٹ نے بھی کبھی کبھار بہت اچھی تجزیاتی تنقید کی ہے جیسے Andrew MA کی مشہور نظم To A coy mistress کی۔ لیکن ایلیٹ کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ ایک دو جملوں میں ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو دوسروں کی کتابوں سے زیادہ وزنی ہیں اور جن کی تشریح کے لیے ایک کتاب چاہئے“۔(۵)

ایلیٹ کی تنقید میں تین نمایاں اوصاف ملتے ہیں۔ کلاسیکی انداز، ادبیت پر نگاہ اور روایت کا شعور۔ ان تینوں اوصاف سے ان کی تنقید میں کلاسیکی رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایلیٹ کے نزدیک کلاسک کا ایک خاص مفہوم ہے جس سے وہ معیار اور عظمت اور پختگی مراد لیتے ہیں۔ بقول ایلیٹ:-

> ”اگر کوئی لفظ ایسا ہے جس میں ”کلاسک“ کی اصطلاح کی ساری خصوصیات یکجا ہو سکتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ مفہوم کا اظہار کر سکتا ہے تو وہ لفظ ”کاملیت“ یا پختگی ہے“۔(۶)

یعنی ایلیٹ نے کامل اور معیاری تخلیق کو ”کلاسک“ کا نام دیا ہے اور یہ کاملیت یا پختگی حاصل کرنے کے لیے تاریخی شعور ضروری ہے۔ ایلیٹ کے بقول تاریخی شعور کا یہ مطلب ہے کہ شاعر اپنی قوم کی تاریخ سے پوری طرح واقف ہو یا کسی انتہائی مہذب قوم کی تاریخ کا اسے علم ہو۔ ظاہر ہے ایسے کلاسیکی ادب کے لیے جہاں مختلف قسم کی صلاحیتیں اور جوہر ضروری ہیں وہیں ایسی زبان بھی ضروری ہے جس میں یہ سارے جوہر سما سکیں۔ چنانچہ اسی خصوصیت کے پیش نظر ایلیٹ نے لفظ ”جامعیت“ کا اضافہ کیا ہے۔ وہ جامعیت جو فن پارے کو آفاقی بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ کہتے ہیں :

> ”جب ادب پارہ اس جامعیت سے آگے بڑھ جاتا ہے اور دوسرے غیر ملکی ادبیات کے لیے بھی اتنا ہی اہم ہو جاتا ہے جتنا خود اپنی زبان کے لیے تھا تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں آفاقیت بھی موجود ہے“۔(۷)

کلیم الدین احمد کی تنقید میں آفاقیت پر زور ایلیٹ کے اسی نظریے کی وجہ سے ملتا ہے۔ بلکہ وہ آفاقیت پر بات کرتے ہوئے ایلیٹ سے چند قدم آگے بڑھ جاتے ہیں کیوں کہ ایلیٹ مقامیت کے تحفظ پر زور دیتا ہے، وہ شاعری کے ذریعہ قوم کی زبان کو ترقی دینا چاہتا ہے مگر کلیم الدین احمد ایسے تجربات کو ادب کا موضوع بنانا چاہتے ہیں جن میں ابدیت ہو اور جو زمان و مکان کی حدوں سے پرے ہوں۔ ایک ملک، قوم یا دور میں ہی نہیں، ان کی افادیت مختلف اقوام اور مختلف ادوار تک قائم رہے۔

ایلیٹ کی تنقید کا دوسرا اہم وصف ہے روایت کا تتبع۔ انھوں نے روایت کو خاصی اہمیت دی ہے مگر وہ روایت نہیں جو بغیر محنت و ریاضت کے محض اتباع سے حاصل ہوئی ہو۔ انھوں نے اس روایت کا اتباع اہم بتایا ہے جس کی بنیاد تاریخی شعور پر ہو اور جس کا سلسلہ مربوط طور پر "حال" سے بھی ملتا ہو۔ کلیم الدین احمد نے بھی تقریباً ایسی ہی بات کہی ہے کہ جب تک ادبی تاریخ، ادبی وراثت کو نگاہ میں نہیں رکھا جاتا شعر و ادب کے معیار اور اہمیت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

ایلیٹ کی تنقید کا تیسرا وصف ادب کا مطالعہ بحیثیت ادب ہے۔ یعنی ان کی نگاہ میں ادب کے معیار کی پرکھ یا ادب کا عدم یا وجود صرف ادبی معیاروں سے ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ کلیم الدین احمد نے بھی ہمیشہ اسی نظریے پر زور دیا ہے کہ ادب کو پرکھتے ہوئے کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ ادب ہے اور اس کے تقاضے ادبی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں :

> "غلط خیال سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم کبھی یہ نہ بھولیں کہ شاعری شاعری ہے، کوئی اور چیز نہیں"۔(۸)

اس کے علاوہ تنقید، شعر، الفاظ، اسلوب، وزن، آہنگ، لہجہ وغیرہ کے متعلق ایلیٹ کے خیالات سے کلیم الدین احمد خاصے متاثر ہوئے ہیں۔ ان کے تجزیاتی طریقۂ نقد اور کم لفظوں میں بڑی بات کہنے کے ہنر پر بھی غور کیا جائے تو واضح طور پر ایلیٹ کے اثرات دکھائی دے جاتے ہیں۔

کلیم الدین احمد نے انگریزی کے علاوہ فرنچ میں بھی ٹرائی پوس کیا تھا۔ اس زبان کو انھوں نے جن اساتذہ سے سیکھا تھا ان میں مسٹر گریس Mr.Grace خاص ہیں۔ اس کے علاوہ Mr.Preior weford سے بھی استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ مغربی ناقدین میں ازرا پاؤنڈ سے وہ متاثر ہوئے اور آرنلڈ کے اس قول کو بھی دہراتے رہے کہ "Let us keep our standard high" ۔ کولرج کے نظریہ تخیل کی تعریف کی تو شیکسپیئر کے نظریہ "تخیل" کو بھی سراہا۔ گویا کلیم الدین احمد مشرقی اور مغربی ادب دونوں سے کم و بیش یکساں طور پر استفادہ کرتے ہیں اور دونوں کی روشنی سے اپنے خیالات کو استدلال و استحکام عطا کرتے ہیں۔

پس منظر: (Back ground)

پروفیسر کلیم الدین احمد اردو کے پہلے نقاد و محقق ہیں جنھوں نے اپنی تنقید و تحقیق میں بے لچک، غیر جانبدارانہ اور بے باک رویہ اپنایا۔ انھوں نے تنقیدی خیالات کو انشاپردازی کے پردے میں چھپانے سے گریز کیا اور تنقید و تحقیق کے لیے صاف شفاف زبان کو ضروری بتایا۔ اس کے علاوہ وہ محض نظری

تنقید کے قائل نہیں رہے۔ انھوں نے خود عملی تنقید کی اور تنقید کے لیے عملی تنقید کو ہی سب سے بہتر طریقہ قرار دیا۔ کلیم الدین احمد کے تنقیدی رویے اکثر و بیشتر مغربی ادب کے مطالعے کا نتیجہ قرار دیئے جاتے رہے ہیں اور اسی بنا پر ان کی تنقید کو مغرب سے بے جا مرعوبیت کی مثال بھی بتائی گئی ہے۔ ان کے مخالفین نے اسی بنیاد پر ایک مخالف محاذ قائم کیا اور انھیں مشرقی ادب اور مشرقی روایات سے ناواقف قرار دے کر منفی اور باطل تنقید کا علمبردار ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مگر جب کلیم الدین احمد کی خود نوشت ''اپنی تلاش میں'' کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ الزامات بہت حد تک غلط اور یک طرفہ مطالعے کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ کلیم الدین احمد نہ صرف مشرقی ادب اور مشرقی روایات سے واقف تھے بلکہ مغربی ادب اور طرز تنقید کے مطالعے سے وہ اردو ادب اور تنقید کو ثروت مند، مفید اور بیش قیمت بنانا چاہتے تھے۔

کلیم الدین احمد کی تحقیق و تنقیدی تحریروں کی سب سے بڑی خوبی ان کی صاف گوئی، بے باکی اور سچائی ہے، جس کی وجہ سے دو تین کتابوں کی اشاعت کے بعد ہی وہ اردو کے مشہور ترین مصنف ہوگئے۔ بڑے بڑے لکھنے والوں کو انھوں نے متاثر کیا اور ادبی مباحث کے متعدد ابواب کھولے۔ پہلی نظر میں لوگوں کو ان کی رائے متعصبانہ اور غیر صحت مند معلوم ہوتی مگر بغور پڑھنے کے بعد وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے کہ یہ رائے کافی غور و خوض، وسیع مطالعے اور دلائل و شواہد کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ شاعری کیا ہے؟ شعریت کیا ہے؟ تنقید کی زبان کیسی ہونی چاہئے؟ ناقد کے لیے کون سے اصول ہونے چاہئیں؟ تنقید اور تحقیق میں کیا رشتہ ہے؟ ناول کی زبان کیسی ہونی چاہئے؟ فکر و اسلوب میں اہمیت کسے دیں؟ جیسے زبان و ادب کے بنیادی مسائل پر انھوں نے بھرپور مثالوں اور دلائل کے ساتھ گفتگو کی۔ انھوں نے متن کا گہرائی اور سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کیا اور جو بھی نتیجہ پیش کیا اسے مکمل طور پر مطمئن ہونے کے بعد ہی پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کلیم الدین احمد کو اپنے نتائج اور آرا میں تبدیلی کی ضرورت کم ہی پڑی۔

کلیم الدین احمد کی تحقیقی خدمات :(Kalimuddin ki Tahqeei Khidmaat)

کلیم الدین احمد اور دیگر ناقدین نے بھی تنقید اور تحقیق کے مابین رشتے کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ تنقید بغیر تحقیق کے اور تحقیق بغیر تنقیدی شعور کے مکمل نہیں ہو سکتی۔ تنقید و تحقیق کے اصول و ضوابط الگ ہیں اور وہ ناقد و محقق سے الگ الگ اوصاف و خصائص کا تقاضا کرتے ہیں۔ محقق کے لیے محنتی، عمیق نگاہ اور اچھی یادداشت کا مالک ہونا ضروری ہے تو ناقد کا ادبی ذوق، تخلیقی صلاحیت اور تخیل بلند ہونا چاہئے۔ کلیم الدین احمد کے یہاں جہاں تنقید کی ساری صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں وہیں تحقیقی اوصاف اور ہنر مندیوں سے بھی پوری طرح نوازے گئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے نہ صرف یونیورسٹی میں اعلیٰ اور معیاری تحقیق کو فروغ دیا بلکہ تذکرۂ شورش، تذکرۂ عشقی، تذکرۂ گلزار ابراہیم، کلیات شاد، دیوان جوشش اور تین تحقیقی مقالات وغیرہ سے عمدہ تحقیق کا ایک معیار بھی قائم کیا۔

۱۔ دو تذکرے:(Do Tazkare)

کلیم الدین احمد کی اس تحقیقی کاوش میں تذکرۂ شورش از میر غلام حسین شورش اور تذکرۂ عشقی از شیخ محمد وجیہ الدین عشقی کے مندرجات کو آمنے سامنے پیش کیا گیا ہے تاکہ دونوں شاعروں کے تذکرے بیک وقت نگاہوں کے سامنے رہیں اور پڑھنے والے مماثلت اور فرق خود دیکھ لیں۔ تذکرۂ شورش کی تکمیل ۱۱۹۳ھ میں ہوئی تھی اور تذکرۂ عشقی کی ۱۲۳۰ھ میں۔ دونوں تذکروں کے زمانۂ تالیف میں تقریباً پچیس سال کا فاصلہ ہے اس لیے طرز نگارش،

بیان اور طریقہ پیش کش میں فرق پیدا ہونا فطری ہے۔ کلیم الدین احمد نے اس فرق کی وضاحت نہیں کی ہے بلکہ دونوں کی تصویریں پیش کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے دو ''تذکرے'' کو تحقیق کا بہت اعلیٰ نمونہ تو نہیں کہا جا سکتا مگر کلیم الدین احمد کے انفرادی طرز فکر اور تحقیقی دلچسپی کا ثبوت ضرور فراہم کرتا ہے۔

۲۔ تذکرہ دیوانِ جہاں:(Tazkara Deewan e Jahan)

''تذکرہ دیوان جہاں'' کا ہندوستان میں واحد نسخہ Royal Asiatic Society Calcutta میں تھا۔ اس کی رسائی لوگوں تک بہ آسانی کرنے کے لیے کلیم الدین احمد نے شعبۂ انگریزی پٹنہ یونیورسٹی سے نکلنے والے رسالے Current Studies میں ایک خصوصی ایڈیشن کے ذریعہ نقل بصورت اصل شائع کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اصل متن لوگوں تک بہ آسانی پہنچ جائے۔ اس تذکرے کی تاریخ تکمیل کریم الدین نے ''طبقات الشعرا'' میں ۱۸۱۴ء بتائی تھی جو غلط ہے۔ تذکرے کے آخری صفحے میں صحیح تاریخ ۱۸۱۲ء درج ہے۔ کلیم الدین احمد نے اس صفحے کی عکسی تصویر شائع کر دی اور مقدمے میں کریم الدین احمد کا قول بھی نقل کر دیا۔ اس تذکرے کی اشاعت میں بھی کلیم الدین احمد تدوین و تحقیق کا کوئی نیا معیار نہیں پیش کرتے اور نہ ہی تحقیق کا کوئی بڑا کارنامہ انجام دیتے ہیں۔ تذکرے کو عام لوگوں تک پہنچا دینا ہی وہ کام ہے جس کی تعریف کی جا سکتی ہے۔

۳۔ تذکرہ گلزار ابراہیم:(Tazkara Gulzar e Ibrahim)

''تذکرہ گلزار ابراہیم'' نواب ابراہیم خاں خلیل کا تصنیف کردہ ہے جو ۱۱۹۸ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس کی زبان فارسی ہے اور اس میں اردو شاعروں کے منتخب اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ ۳۲۰ شعرا کا اندراج بہ اعتبار حروف تہجی کیا گیا ہے جن میں معروف، غیر معروف اور نو مشق شعرا بھی شامل ہیں۔ اس تذکرے میں کلیم الدین احمد نے کافی محنت کی ہے۔ پورے تذکرے کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا۔ دو قلمی نسخوں اور گلشن ہند سے موازنہ کر کے اس کا متن درست کیا۔ پھر ایک تفصیلی مقدمہ کے ساتھ معاصر کے دو خصوصی شماروں میں شائع کیا۔ اس لحاظ سے اس تذکرے کی تدوین و اشاعت کو کلیم الدین احمد کا بڑا تحقیقی کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

۴۔ تاریخ نور:(Tareekh e Noor)

''تاریخ نور'' اودھ کے آخری نواب واجد علی شاہ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنی محبوبہ نواب نور زماں بیگم کے نام لکھے تھے۔ اس میں ۲۸ خطوط شامل ہیں جن میں سے ۲۶ نظر بندی کے دوران اور ۲ رہائی کے بعد لکھے گئے ہیں۔ کتابی صورت میں یہ خطوط ۱۹۷۳ء میں آئے مگر اس سے قبل ان کی اشاعت معاصر کے ۴۴ ویں شمارے میں ہو چکی تھی۔ اس کے شروع میں کلیم الدین احمد کا ایک تفصیلی مقدمہ بھی ہے۔ جس میں نواب واجد علی شاہ کے تاریخی خد و خال واضح کئے گئے ہیں۔ یہ مقدمہ نواب واجد علی شاہ کے متعلق ان تمام غلط فہمیوں اور رائج غلط بیانوں کو رد کرتا ہے جن کی وجہ سے نواب کی شخصیت ایک عیاش اور لچر شخص کے طور پر مشہور ہو گئی تھی۔ انھوں نے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ نواب کسی قسم کے قرض دار نہ تھے اور نہ ہی شراب و کباب کے رسیا تھے۔ وہ بہت مذہبی اور نماز کے پابند تھے نیز رعایا کی تکلیفوں اور شکایتوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ گویا ان خطوط کے

ذریعہ نواب واجد علی شاہ کی ذاتی زندگی کی بہت اہم معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اور نواب کی ایک نئی تصویر سامنے آتی ہے۔ ''تاریخ نور'' کے ذریعہ کلیم الدین احمد نے نواب واجد علی شاہ کے متعلق ذاتی، سیاسی اور تاریخی حقائق کو پیش کر کے ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔

۵۔ کلیات شاد: (Kulliyat e Shaad)

''کلیات شاد'' کی تین جلدیں جو بہار اردو اکادمی سے شائع ہوئیں کلیم الدین احمد کی تحقیقی کاوش کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ان تین ضخیم جلدوں کو ترتیب دینے کے لیے انھوں نے ۳۵ ماخذات سے استفادہ کیا مگر بنیاد ان نسخوں کو بنایا جو شاد نے خود تیار کئے تھے یا پھر ان کے احباب و اقربا نے۔ ان نسخوں کی تعداد سات ہے۔

کلیات شاد حصہ اول ۵۶۳ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں شاد کی ۳۱۱ غزلیں ہیں۔ اسی جلد میں شاد کے حالات زندگی، کلیات شاد کے ماخذ، شاد اور الپنچ، اصلاحات شاد، شاد کی شخصیت اور شاد کی غزل گوئی کے عنوانات سے تفصیلات اور معلومات پیش کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں شاد کے ۱۰۲ تلامذہ کی فہرست، شاد کا لکھا ہوا فارسی دیباچہ اور غزل اور غزلیات شاد کے عنوان کے تحت دو مضامین بھی شامل کئے گئے ہیں۔ کلیات شاد جلد دوم ۵۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں ۴۷۶ غزلیں، قطعات اور ۲۳۹ رباعیات ہیں۔ اس جلد میں ۲ ضمیمے بھی ہیں۔ پہلے ضمیمے میں فصاحت، تنافر، بلاغت، رعایت لفظی وغیرہ جیسے متعدد صنایع اور اصطلاحات کے متعلق وضاحتیں ہیں جبکہ دوسرے ضمیمے میں ''ڈاکو نامہ'' عنوان کے تحت شاد عظیم آبادی کی آخری تحریر پیش کی گئی ہے۔ جس میں وہ قیس رضوی کے متعلق اپنی شکایتوں اور ادبی ڈاکوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اسی حصے میں قاضی عبد الودود اور کلام شاد کے عنوان سے قاضی عبد الودود کے وہ جوابات شامل ہیں جو کلیم الدین احمد کی فرمائش پر انھوں نے شاد کے اعتراضات پر دیئے تھے۔

۴۱۷ صفحات پر مشتمل کلیات شاد جلد سوم میں شاد کی ۱۲۰ مثنویاں، نظمیں اور قطعات ہیں۔ اس جلد میں نہ مقدمہ ہے نہ مقالات۔ کلیات شاد کی ترتیب و تدوین میں کلیم الدین احمد نے غایت تحقیقی محنت اور لگن کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اس لیے کلیم الدین احمد کا یہ ایک ناقابل فراموش تحقیقی کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

۶۔ دیوانِ جوشش: (Deewan e Joshish)

روشن علی جوشش عظیم آبادی کا دیوان ''دیوان جوشش' کے عنوان سے ۱۹۴۱ء میں قاضی عبد الودود کے ذریعہ شائع ہو چکا تھا مگر انھوں نے صرف ایک نسخے سے کام لیا تھا۔ کلیم الدین احمد کو بتیاراج کے کتب خانے سے اس کا ایک دوسرا نسخہ بھی ملا۔ ان دونوں نسخوں کی مدد سے انھوں نے دیوان کی تصحیح کر کے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔ اس دیوان کا سب سے اہم حصہ وہ مقدمہ ہے جو انھوں نے دیوان کے شروع میں لکھا ہے۔ کلیم الدین احمد نے مختلف تذکروں کی مدد سے جوشش کے حالات زندگی، جوشش کے تلامذہ اور جوشش کی شاعری کے متعلق بیش قیمت اور اہم معلومات پیش کی ہیں۔ نیز جوشش کی شاعری میں اساتذہ سے استفادہ، موضوعات کی عمومیت اور جوشش کی شاعرانہ قدر و قیمت پر بھی اپنی تنقیدی رائے پیش کی ہے۔ اس طرح ''دیوان جوشش''، کلیم الدین احمد کی تحقیقی اور تنقیدی دونوں خوبیوں کا اظہاریہ ہے۔

۷۔ تذکروں کی جنگ:(Tazkaron ki Jang)

"تذکروں کی جنگ" کلیم الدین احمد کا تحقیقی مقالہ ہے۔ جو "شب خون" میں شائع ہوا تھا۔ اس میں میرؔ کے "نکات الشعرا" سے لے کر بعد میں لکھے گئے جواب الجواب تذکروں کو نشانہ بناتے ہوئے تذکرہ نگاروں کی انسانی غلطیوں پر نظر ڈالی گئی ہے۔ انھوں نے میرؔ پر سخت تنقید کی ہے، جنھوں نے اپنے عہد کے بڑے بڑے شعرا کی نکتہ چینی اور تنقیص کی ہے۔ فتح علی حسینی گردیزی نے میر کا جواب دیا تو میرؔ کے مرتبے کو کم تر کرنے کی کوشش کی۔ کلیم الدین احمد نے اس طرح کے مختلف تذکروں سے مثالوں کے ذریعہ تذکرہ نگاروں کی معاصرانہ چشمک، انسانی کمزوریوں اور غلط بیانیوں کا بڑی عمق نگاہی سے محاکمہ کیا ہے۔

۸۔ شاعروں کی نوک جھونک:(Shairon ki nok jhonk)

یہ کلیم الدین احمد کا دوسرا مقالہ ہے جو "معاصر" کے ۲۵ویں اور ۲۶ویں شمارے میں قسط وار شائع ہوا تھا۔ ۱۹۴ صفحات پر مشتمل اس مقالے میں ولی دکنی کے بعد سے لے کر انیس و دبیر کے عہد تک مختلف شاعروں کے درمیان ہونے والی معاصرانہ چشمکوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تذکروں سے دلچسپی نے غالباً کلیم الدین احمد کو اس موضوع کی جانب متوجہ کیا مگر تذکروں کی طرح ہی ان معاصرانہ چشمکوں میں بھی انھیں کوئی تنقید یا ادبی کارنامہ جیسی چیز نہیں ملتی اس لیے مایوس ہوتے ہیں اور شاید اسی لیے چشمک کے بجائے نوک جھونک جیسا معمولی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انگریزی ادب میں جہاں اس طرح کی چشمکوں کا نتیجہ کوئی فنی کارنامہ ہوتا ہے یا کوئی گہری تنقید، اردو میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں ملتی۔ مگر کلیم الدین احمد نے ادبی معرکوں کی تاریخ جس تسلسل اور تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ انھوں نے بڑی گہری نظر سے تذکروں کی چھان بین کی ہے اور ولی، نظیر، مظہر اور آبرو کی نوک جھونک کو مشکوک بتایا ہے۔ مگر ضاحک اور سودا، مصحفی اور سودا، مصحفی اور انشا، غالب اور آغا جاں طیش، آتش وناسخ وغیرہ کی مختصر یا طویل چشمکوں کا انھوں نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ ہمارے سامنے ماضی کی جیتی جاگتی تصویریں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ان سے کوئی تنقیدی نکات تو نہیں حاصل ہوتے مگر شعرا کی شخصیت، مزاج، نفسیات اور ذہن کو سمجھنے میں ان سے معاونت حاصل ہوتی ہے۔

۹۔ شاعر لوگ:(Shair log)

۱۱۳/ صفحات پر مشتمل کلیم الدین احمد کا تیسرا مضمون "شاعر لوگ" (تذکروں کی روشنی میں) کے عنوان سے معاصر کے ۲۷ویں شمارے میں شائع ہوا۔ یہ مضمون بھی ماقبل دو مضامین کی طرح تذکروں کی روشنی میں شعرا کی شخصیت، مزاج، زندگی اور نفسیات کے مطالعے پر مبنی ہے۔ فنی زندگی اور شخصی زندگی میں ربط ہو یہ ضروری نہیں۔ بڑے بڑے فنکار اپنی نجی زندگی میں ذہنی طور پر کجرو اور بد دماغ رہے ہیں۔ کلیم الدین احمد نے فرائڈ، ایڈلر اور یونگ کے حوالے سے شعرا کی دوہری شخصیت اور مختلف برائیوں میں مبتلا ہونے کے اسباب بھی تلاش کئے ہیں۔ خاص طور سے اس دور کی دو بڑی خرابیوں یعنی امرد پرستی اور ہوس پرستی کا مثالوں کے ساتھ ذکر کر کے انھوں نے متعدد شعرا کی شخصیت سے پردے اٹھائے ہیں۔ اس کے علاوہ بادہ خواری، قتل و خون اور بوالہوسی جیسی برائیوں کے وجود کو بھی انھوں نے تذکروں سے مثالیں دے کر ثابت کیا ہے۔ غرض کلیم الدین احمد کے تینوں

مقالات کی بنیاد تذکرے ہیں۔ ان کی نوعیت تحقیقی ہے اگرچہ اس میں تنقید وادب کے بجائے شعرا کی سماجی، نفسیاتی اور ذاتی زندگی کے مطالعے تک خود کو محدود کیا گیا ہے اور ایسے حقائق سے قارئین کو روبرو کرایا گیا ہے جو خالص ادبی یا تنقیدی مطالعے کے تحت سامنے نہیں آسکتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ نقاد کی طرح بحیثیت محقق بھی کلیم الدین احمد انفرادیت قائم کرتے ہیں۔ انھوں نے کئی گمنام اور نایاب نسخوں کی ترتیب و تدوین کر کے اسے شائع کیا۔ انھوں نے نسخوں کی تصحیح اور اشاعت میں جس ریاضت، محنت اور ایمانداری کا ثبوت دیا ہے وہ ان کی تحقیقی اصولوں سے واقفیت کا بین ثبوت ہے۔ تذکروں کے حوالے سے ان کے مضامین بھی تحقیقی اعتبار سے اردو ادب میں اہم اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۰۔ مقالات قاضی عبدالودود:(Maqalat e Qazi Abdulwadood)

یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں بہار اردو اکادمی پٹنہ سے شایع ہوئی جس میں کلیم الدین احمد نے قاضی عبدالودود کے تین مقالات جمع کئے ہیں۔ ۲۵۱ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں قاضی عبدالودود کے تین مقالات کے علاوہ ۲۶ صفحات پر محیط قاضی عبدالودود کی تحریر کردہ ایک خودنوشت ہے اور کلیم الدین احمد کے دو مضامین "ایک لسانی محقق" اور "کچھ اس جلد کے بارے میں" عنوانات سے ہیں۔ "میں کون ہوں میں کیا ہوں" معاصر کی فرمائش پر لکھا گیا مضمون ہے جو معاصر قاضی عبدالودود نمبر میں شایع ہوا تھا اور جسے جوابات کی شکل میں قاضی صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔ قاضی صاحب کے حالات زندگی سے واقفیت کے لیے یہ تحریر بہت کارآمد ہے۔ کلیم الدین احمد نے اپنے مضمون "مثالی محقق" میں قاضی صاحب سے اپنے ذاتی تعلقات کے علاوہ قاضی صاحب کے مزاج، ان کے معیار تحقیق، مطالعہ پسندی، آزادروی، حسن اخلاق اور خدمات پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔ جبکہ مضمون "اس جلد کے بارے میں" میں انھوں نے شامل کتاب قاضی صاحب کے تینوں تبصروں کا تعارف پیش کیا ہے۔ قاضی صاحب کے جو تین تبصرے انھوں نے منتخب کئے ہیں ان میں پہلا اور طویل تبصرہ ڈاکٹر اختر اورینوی کے تحقیقی مقالہ "بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقا: ۱۸۵۷ء تک" پر ہے جو قسط وار نوائے ادب بمبئی میں اکتوبر ۱۹۵۸ء سے اکتوبر ۱۹۵۹ء تک شایع ہوا تھا۔ دوسرا تبصرہ ڈاکٹر سید محمد حسنین کے تحقیقی مقالہ پر ہے جس کا عنوان ہے "مرزا محمد علی فدوی: ان کا عصر، حیات، شاعری اور کلام"۔ یہ ماہنامہ صنم بہار نمبر ۱۹۵۹ میں شایع ہوا تھا۔ تیسرا تبصرہ ڈاکٹر ممتاز احمد کی "مثنویات راسخ" پر ہے جو ہفتہ وار ہماری زبان، علی گڑھ (۸ نومبر ۱۹۵۸ تا یکم جنوری ۱۹۵۶) میں شایع ہوا تھا۔

اس کتاب کی ترتیب اور پیش کش میں کلیم الدین احمد نے جس محنت اور سلیقے کا اظہار کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترتیب کا کام بھی آسان نہیں۔ اسے تحقیق کی طرح ہی سنجیدگی اور توجہ سے کرنی چاہئے۔

اختتامیہ:(Conclusion)

پروفیسر کلیم الدین احمد کی اردو تنقید و تحقیق کا دور ۱۹۳۹ء میں عظیم الدین احمد کے شعری مجموعے "گل نغمہ" کے مقدمے سے شروع ہو کر ان کی وفات ۱۹۸۳ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس پینتالیس سالہ دور میں انھوں نے اردو تنقید و تحقیق، شاعری، تذکرے، داستان اور کئی اہم اصناف کا غیر جانبدارانہ، مدلل اور بے باک جائزہ لیا۔ کلیم الدین احمد کے معیار تحقیق کو ایک طرف مشرقی ادبیات اور گھر کے مشرقی ماحول نے پروان چڑھایا تو دوسری طرف انگریزی، فرانسیسی تنقید، لندن اور کیمبرج کی تعلیم اور ایف آر لیوس، آئی اے رچرڈز، ٹی ایس ایلیٹ جیسے اساتذہ و محققین نے جلا بخشا۔ انھوں نے

مغربی تنقید و تحقیق کے معیار و وسعت سے متاثر ہو کر ہی اردو تنقید کے وجود سے انکار کیا اور اس کے اصول وضوابط کی عدم موجودگی کے شاکی رہے۔ ان پر ایک الزام ہمیشہ لگایا جاتا رہا ہے کہ وہ انگریزی ادب سے مرعوب ہیں اور اردو کی ہر تحریر کو مغرب کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کلیم الدین احمد کا معیار نقد مغربی ہے مگر اسی مغربی معیار سے انھوں نے جو اردو شعر و نقد کے اصول ترتیب دیئے اس سے اختلاف کی گنجائش بمشکل نظر آتی ہے۔ ان کا مقصد اردو ادب کی تذلیل نہیں ہے، بس وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا اردو ادب بھی مغربی ادب کا معیار حاصل کرلے۔

کلیم الدین احمد نے جو کچھ لکھا جی جان سے لکھا اور ہر موضوع کا حق پوری طرح ادا کیا۔ ان کی زبان سادہ اور انداز بیان معروضی، استدلالی اور سائنٹفک ہے۔ تحریر میں جگہ جگہ انشائی شگفتگی بھی ملتی ہے اور طنزیہ وظریفانہ لطافت بھی۔ اردو تنقید میں سنجیدگی، توازن اور حسن تنظیم کی سب سے اچھی مثال کلیم الدین احمد کی تنقید سے دی جاسکتی ہے۔

کلیم الدین احمد کی دیگر ادبی خدمات مثلاً اپنی تلاش میں، میری تنقید ایک بازدید، میر انیس، معاصر، جامع انگریزی اردو لغت، Idols، دیوان جوشش، کلیات شاد اور مختلف مضامین وتبصرے ان کی علمیت، وسیع معلومات، ندرت خیال وفکر اور معروضی مطالعیت پسندی کی دلیل ہیں۔ ”اپنی تلاش میں“ جہاں اردو کی اچھی خودنوشتوں میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے وہیں ”جامع انگریزی اردو لغت“ کو ایک بڑا کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ ”معاصر“ میں اگر وہ ایک دور رس اور بالغ نظر ادیب نظر آتے ہیں تو Idols میں وہ ایک فلسفی اور مفکر کی صورت میں اپنی شناخت قائم کرتے ہیں۔ شاعری کے میدان میں اگرچہ وہ بہت معروف اور کامیاب نظر نہیں آتے مگر وہ اپنی شاعری میں ان تمام خامیوں کو دور کرتے ضرور نظر آتے ہیں جن کی شکایت انھیں اردو شاعری سے تھی۔ ان کی مختصر یا طویل نظمیں اپنے اندر تہداری رکھتی ہیں اور پیچیدگی بھی۔ ان میں موضوعات کا تنوع، ڈرامائی انداز، ہندوستانی فضا اور بیان کی جدت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

گویا ان کی متنوع خدمات اور تحریروں کو نظر میں رکھا جائے، ان کی ناقدانہ جسارت وجرات کی قدر کی جائے اور ان کی دانشورانہ و عالمانہ تحقیقی تحریروں کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ کہنا مبالغے پر محمول نہیں کیا جائے گا کہ کلیم الدین احمد ایک نابغہ، ایک مفکر اور صف اول کے ناقد و محقق تھے۔

حوالہ جات

۱۔ کلیم الدین احمد۔ اپنی تلاش میں (جلد اول) پٹنہ: بہار اردو اکادمی۔ ص ۲۰۰

۲۔ کلیم الدین احمد۔ اپنی تلاش میں (جلد دوم)۔ پٹنہ: بہار اردو اکادمی۔ ص ۱۴۴

۳۔ ایضاً۔ ص ۱۶۹

۴۔ کلیم الدین احمد۔ اردو تنقید پر ایک نظر۔ پٹنہ: بک امپوریم۔ ص ۳۶

۵۔ کلیم الدین احمد۔ اپنی تلاش میں (جلد دوم)۔ ص ۲۰۰

۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر۔ ایلیٹ کے مضامین۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔ ص ۱۹۶

۷۔ ایضاً۔ ص ۲۱۷

۸۔ کلیم الدین احمد۔ ادبی تنقید کے اصول۔ ص ۳۰